فسادات کے بارے میں چند اہم معلومات

(از جناب نعیم صدیقی)

ہندوستان میں خدا ناشناس اور بے اخلاق سیاست کے پھلنے پھولنے سے فتنہ و فساد کی جو آگ ملک کے گوشے گوشے میں بھڑک اٹھی ہے، اس کی روک تھام اور اس کے مقابلہ کے لیے جماعت اسلامی نے اپنے ارکین اور ہمدردوں سے انتہائی جد و جہد کا مطالبہ کیا ہے۔ چنانچہ ہمارے رفقا کو میدانِ عمل میں آنے کی وجہ سے فسادات کے سلسلہ میں بہت ہی اہم اور قابل وثوق معلومات حاصل ہو رہی ہیں۔ یہ معلومات بحالیٔ امن کی مساعی کو آگے بڑھانے میں بہت کارگر ثابت ہوں گی۔ پس یہ ضروری ہے کہ ان معلومات کو جمع کیا جائے اور ان کا جوہر نکال کر رفقا کے سامنے رکھا جائے۔

ہمارے ملک کے فسادات وبائی نوعیت کے نہیں ہیں۔ بلکہ یہ ہماری ہیئت اجتماعی کی مستقل باطنی خرابیوں کے ظہورات ہیں، اور مستقل خرابیاں اگر برقرار رہیں تو نہیں کہا جا سکتا کہ وحشت و بربریت کا یہ طوفان کب تھمے گا۔ ان حالات میں ہم یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے وفادار بندے اور اخلاق اسلامی کا سچا احترام کرنے والے صالحین مسلم اور غیر مسلم دونوں گروہوں کو ان آفات سے بچانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں اور بالکل سپاہی بن کر اٹھ کھڑے ہوں۔ اپنا مال اور اپنا وقت اور اپنی قوتیں اور صلاحیتیں بالکل یکسو ہو کر خدمت انسانیت کی راہ میں صرف کرنے کا فیصلہ کرلیں۔ جس طرح فسادی عناصر نے اپنے قویٰ کو فساد پھیلانے میں صرف کرنے کا عزم کر لیا ہے۔ ہماری ذمہ داریاں نہ صرف اپنے اصول و مسلک کی وجہ سے شدید ہیں، بلکہ اس وجہ سے بھی اہمیت رکھتی ہیں کہ کوئی دوسرا منظم گروہ اس ملک میں ایسا نہیں ہے جو فساد کو روکنے اور امن قائم کرنے کے لیے اخلاص اور یکسوئی کے ساتھ میدان عمل میں آ سکے۔

جو لوگ فساد کو روکنے اور امن کو قائم کرنے کے لیے کوئی قدم اٹھانا چاہیں، ان کے لیے یہ ضروری ہے کہ

وہ گرد و پیش کے فسادات کی حقیقی علت کو معلوم کریں اور پورا زور اس علت کو دور کرنے پر صرف کریں، یا اگر فوری وجوہ انھیں فسادات کے بعض خارجی مظاہر پر متوجہ بھی کردیں تو بھی وہ ان کے داخلی اسباب سے پوری طرح قطع نظر نہ کرلیں۔ علاوہ بریں فسادات کے فریقین کی پیشوائی حقیقۃً جس گروہ کے ہاتھوں میں ہو اسے پہچانیں اور اس کو یہ پوزیشن جن وجوہ سے حاصل ہوئی ہو ان کا تعین کریں۔ پھر اس سے زیادہ یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ فساد کی نفسیات کیا ہوتی ہیں اور ذہن کی مشینری کے کونسے پیچ پرزے بربریت کا آغاز کرنے والے ہوتے ہیں اور بربریت کے ابھر آنے پر نفس انسانی کے کونسے حصص مفلوج ہوجاتے ہیں۔ پھر اس سے آگے امن پھیلانے والے ہر سپاہی کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ فسادات کی بارود کیسے بچھا کرتی ہے اور یہ بھی کہ اس بارود کو بھک سے اڑانے کے لیے چنگاریاں کیا ہوتی ہیں؟ الغرض فسادات کی روک تھام کرنے کے لیے محض خلوص اور جوش عمل کافی نہیں۔ بلکہ اس کے ساتھ ساتھ حکمت و بصیرت کا ہونا بھی بہت ضروری ہے۔

اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ترجمان القرآن کے اشارات میں اہم معلومات اور اصولی ہدایات مسلسل پیش کی جارہی ہیں اور آئندہ بھی بقدر ضرورت یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ نیچے کی سطور میں راقم الحروف چند ایسے اہم امور کا تذکرہ کر رہا ہے جو فسادات کا مطالعہ کرنے کے بعد ذہن کے سامنے آئے ہیں۔ ان امور کے معلوم ہونے سے رفقا کو ان شاء اللہ اپنے کام میں مدد ملے گی۔

(۱) عام طور پر فسادزدہ علاقوں کے احوال کا جائزہ لیتے ہوئے ہم نے محسوس کیا ہے کہ جہاں تک عوام کی ذہنیت کا تعلق ہے، ان کے اندر کہیں بھی فتنہ و فساد کی خواہش نہیں پائی جاتی، بلکہ ان کی فطرت سلیم ہر جگہ بربریت سے اباکرنے والی ہے۔ فساد پھوٹ پڑنے سے پہلے ان کے ضمیروں کو جہاں ٹٹولا گیا وہاں بھی یہی محسوس ہوا کہ ان میں فساد کے ذوق کے بجائے فساد کا خوف پایا جاتا ہے، اور فساد کا طوفان گذر جانے کے بعد جہاں کہیں ان کی نفسیات کا جائزہ لیا گیا، وہاں بھی یہی اندازہ ہوا کہ ان کو فساد سے نفرت ہے۔ دوسری طرف اونچے سمجھدار طبقہ کے افراد کے بارے میں بھی یہی معلوم ہوا کہ ظہور فساد انھیں بھی مرغوب نہ تھا۔

اب سوال یہ ہے کہ فساد پھوٹتا کیوں کر ہے؟ جبکہ خواص اور عوام دونوں اسے پسند کرتے تھے۔ درحقیقت واقعہ یہ ہے کہ مسلم اور غیر مسلم دونوں گروہوں میں ایک ایسا شر انگیز عنصر پایا جاتا ہے جس میں شاید کچھ تو یونہی بھی ذوقِ جرائم موجود ہے اور اس کے ساتھ ساتھ فسادات میں لوٹ کے جو وسیع مواقع ہوتے ہیں وہ بھی اس کے پیشِ نظر ہوتے ہیں۔ یہ دونوں محرکات اس عنصر کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ فتنہ انگیزی کرے۔ چنانچہ فساد کی ابتدا کرنے تک تو یہ عنصر بالکل Back Ground میں رہتا ہے اور نہایت دبیز پیچیدہ نفسیاتی ہتھکنڈوں سے فضا کو مشتعل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اسے جاننا اور اس کی کارروائیوں کو سمجھنا عوام تو کیا، خواص تک کے لیے مشکل ہوتا ہے لیکن جب فساد پھوٹ پڑتا ہے تو اپنی مخصوص صلاحیتوں کی وجہ سے یہ عنصر یا تو خود بڑھ کر قیادت کے منصب کو سنبھال لیتا ہے یا عوام اس کی مجبور ہو کر اسے آگے کرتے ہیں اور پھر حالات کی ساری مشین اسی عنصر کے قابو میں آجاتی ہے اور سوسائٹی کے اکابر اور اشراف تک اس کے آگے دم نہیں مار سکتے۔

اشتعال انگیزی کے لیے مختلف وجوہ گھڑنا، ایک فریق کو دوسرے سے ہراس دلانا اور اس کی تیاریوں کے متعلق مبالغہ آمیز اطلاعات فراہم کرنا، اپنی قوم کے لوگوں کو بزدلی کے طعنے دینا، دوسری قوم کے لوگوں کی جسارتوں پر تقریریں کرنا، اور جب آخری وقت آجائے تو نتیجہ خیز افواہوں کا پھیلانا اس طبقۂ اشرار کے مخصوص فنونِ لطیفہ ہیں۔

بعض مواقع کے متعلق ہمیں یہاں تک معلوم ہوا ہے کہ صرف نو یا دس آدمی کسی علاقے کو آگ لگا کر جان و مال کی بے تحاشا بربادی کا موجب بنے اور اس کمال فن کے ساتھ کہ وہ کبھی سامنے نہ آئے۔ نہ فساد کی لپیٹ میں آنے والے خواص و عوام کو ان سے کوئی وسیع تعارف ہی ہو سکا۔ ان لوگوں نے یہاں ضروری ہتھیار، رقعے اور سرکلر جاری کر کے عوام کو استعمال کرنے کے لیے منظم کیا۔ پھر اگر کہیں فساد کے پھوٹ پڑنے میں دیر ہوتی محسوس کی تو بے تاب ہو کر خود اپنی کسی عبادت گاہ کو یا اپنی قوم کے کسی فرد کے گھر کو، بلکہ یہاں تک کہ خود اپنے ہی گھر کو آگ لگانے کی کوشش کی اور اس طرح اپنی قوم کو یا اغیار کو مشتعل کر لیا۔ پھر اسی عنصر کی قیادت فساد کا یہ نتیجہ نکلا ہے کہ بربریت کے ہنگاموں میں چوروں اور ڈاکوؤں تک کا اخلاق برقرار نہیں رہ سکا ہے۔ بلکہ

انسانوں کے انبوہ چیونٹیوں اور ریچھوں کی سطح پر جا پہنچے ہیں۔

فسادی، روک تھام کرنے والے کارکنوں کے لیے اپنے اپنے ماحول میں اس خاص عنصر کو اور اس کی مخصوص حرکات کو خوب اچھی طرح پہچان لینا ضروری ہے، تاکہ عوام الناس کو اس کے شر سے خبردار کیا جا سکے۔

(۳) فساد زدہ مقامات کا جائزہ لینے سے ایک اہم بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ قریباً ہر جگہ طوفان وحشت کا آغاز افواہوں سے ہوا —— اور افواہوں کے "کارخانوں" کے صناع ہر جگہ ایسے ماہرین فن تھے، جنھوں نے عوام کی نفسیات کو پوری طرح ملحوظ رکھ کر بالکل ایسی افواہیں وضع کیں جن کو سننے کے بعد صبر و تحمل اور غور و فکر سے کام لینا کم از کم سادہ لوح عوام کے لیے بالکل ممکن نہ تھا، اور افواہوں کی یہ اشتعال انگیزی ایسی قیامت انگیز تھی کہ اس کی روک تھام سیاست کی سطحی نمائشی تنظیم کے بس میں نہ تھی۔

تصادم اور جنگ کی فضا میں قرآن نے افواہ کو جتنا خطرناک قرار دیا ہے اور اسے گھڑنے اور پھیلانے والوں کو جس درجہ کا مجرم گردانا ہے، اس پر مجملاً ایمان تو تھا ہی، مگر اب اس ذہنی چنگاری کی آتش افروزیوں کو سر کی آنکھوں سے دیکھ کر صحیح اندازہ ہوا ہے کہ جماعت اور سوسائٹی کے لیے نازک مواقع پر افواہ کتنی تباہ کن ہوتی ہے۔ اس شیطانی چنگاری کی زد سے خرمن امن کو بچانے کے لیے قرآن ہی کی بتائی ہوئی تدبیر نتیجہ خیز ہو سکتی ہیں۔ ان تدابیر میں سے ایک تو یہ ہے کہ عوام کو یہ سکھایا جائے کہ وہ ہر خبر لانے والے کو اس پر مجبور کریں کہ وہ محلے یا گاؤں یا شہر کے اکابر کو براہ راست مطلع کرے اور بطور خود اسے پھیلاتا نہ پھرے، دوسری ضروری تدبیر یہ ہے کہ ہر خبر کے نہ صرف سلسلہ روایت کو پوری طرح معلوم کیا جائے، بلکہ قرائن و شواہد کی روشنی میں اس کی صحت اور عدم صحت کا فیصلہ پورے غور و فکر سے کیا جائے۔ بلکہ بالعموم مناسب یہ ہوتا ہے کہ موقع پر کسی ثقہ آدمی کو بھیج کر یا وہاں کے اکابر سے مل کر حقیقی واقعات کو معلوم کر لیا جائے۔ تیسری ضروری تدبیر یہ ہے کہ کسی خبر یا افواہ پر عوام میں از خود کوئی کارروائی شروع کر دینے کی جو عادت ہوتی ہے، اسے روکنے کی پوری سعی کرنی چاہیے اور انھیں سکھانا چاہیے کہ وہ اپنے اکابر کے فیصلہ کا انتظار کریں اور اس پر عمل کریں۔ [۱]

۱؎ ان تدابیر کو اس وقت تک پوری طرح عمل میں لا کر ان سے پورا پورا فائدہ حاصل کرنا ممکن نہیں ہے، جب تک کہ ایک اعلیٰ درجہ کی تنظیم رونما نہ ہو جائے جس کی بنیاد قلوب کی راستی اور ان کے جوڑ میل پر ہو۔ اور یہ چیز صرف بندگی رب سے پیدا ہوتی ہے، تاہم اس کے پیدا ہونے سے پہلے ان تدابیر سے جتنا استفادہ کیا جا سکتا ہے کرنا چاہیے۔

(۳) ایک عجیب تجربات ہمارے علم میں یہ آئی ہے کہ بعض مواقع پر فتنہ انگیزی کی پہل اس کمزور اور قلیل التعداد فریق کی طرف سے ہوئی ہے جس کی جیت کا ماحول کے لحاظ سے کوئی امکان نہ تھا۔ ہوا یوں کہ کمزور فریق میں خوف کا جو جذبہ برسرِ عمل تھا، اس نے اس کے افراد کو تشویش میں اور بدگمانیوں میں مبتلا کیا ہے، پھر اس کے ساتھ ساتھ اس میں تصادم کی تیاریوں کا آغاز ہوا ہے، پھر ان تیاریوں کی نمائش ہوتی رہی ہے، پھر اس نمائش کے ساتھ جذبۂ خوف نے تہور کی شکل اختیار کی ہے، اور تہور کے مظاہرات ہی سے کمزور فریق نے پہل کی ہے اور "آبیل مجھے مار" کے اصول پر قوی فریق کے ہاتھوں اپنے آپ کو تباہ کرالیا ہے۔

خود اکثریت رکھنے والے قوی فریق نے جہاں کہیں پہل کی ہے، اس میں بھی فتنہ انگیز عنصر نے پہلے خوف وہراس کو ابھارا ہے اور اقلیت کی خفیہ جنگی تیاریوں کا (جو ایک حد تک واقعی تھیں) اتنا چرچا کیا ہے کہ عوام خوف زدہ ہو کر متہور ہوگئے ہیں۔

ایسے حالات جہاں کہیں پائے جائیں، وہاں فوراً کارکنانِ امن کو خوف کے وقتی ابھار کو دور کرنے کی سعی کرنی چاہیے اور تقابل کر کے اسے تہور کی شکل اختیار کرنے کا موقع نہ دینا چاہیے۔

(۴) فساد زدہ علاقوں کے عین بیچ میں گھرے ہوئے یا ان کے ملحق دیہات اور قصبات یا فساد زدہ شہروں اور قصبوں کے بعض مخصوص محلے بالکل اس طرح بچ کر رہ گئے ہیں، جیسے کسی طوفانی سمندر کے درمیان جزیرے پورے سکون سے اپنی جگہ پر جمے رہتے ہیں۔ ایسی جگہوں کے احوال کی کرید کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہاں کے ذی اثر اکابر نے بالعموم دنیوی مصلحتوں سے اور شاذ و نادر خدا ترسی اور اخلاقی احساس کے تحت امن قائم رکھنے کی واقعی شدید سعی کی ہے اور کامیاب ہوئے ہیں۔ ایسے مقامات کے احوال کو فساد زدہ مقامات کے احوال کے مقابلہ میں رکھ کر یہ اندازہ بھی ہوسکتا ہے کہ جس جگہ اربابِ اثر خلوص و عزم کے ساتھ امن کو بچانے کے لیے ڈٹ گئے ہیں، وہاں بیرونی فسادیوں کے ہجوم کئی کئی بار منڈلا منڈلا کر لوٹ جانے پر مجبور ہوگئے ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ ذی اثر لوگ اگر بدنیتی اور بزدلی کا شکار نہ ہوجائیں تو تباہی کے سیلاب کو روکنے میں یہ کتنے کارآمد ثابت ہوسکتے ہیں۔ اور اس سے یہ نتیجہ بھی نکالا جاسکتا ہے کہ فسادات کو روکنے کے لیے یا فساد زدہ علاقوں میں امن پھیلانے کے لیے عوام کو متاثر کرنے

سے زیادہ ضروری اور زیادہ مفید صورت یہی ہے کہ اکابر کو متاثر کیا جائے۔ دونوں فریقوں کے سرخیل اگر بلاک بنا کر مفسدین کے مقابلہ میں کھڑے ہو جائیں تو بڑے سے بڑا طوفان تھم کے رہ جاتا ہے اور یہ سرخیل حضرات ہی اگر بدنیت اور بزدل ہو کے مفسدین کو کام کرنے کا موقع دے دیں یا ان کی مدد پر راضی ہو جائیں تو پھر امن و سکون کو بچانا ممکن نہیں رہتا۔

یہی حقیقت تھی جسے قرآن نے یوں بیان کیا کہ واذا اردنا ان نهلك قرية امرنا مترفيها ففسقوا فيها فحق عليها القول فدمرناها تدميرا ہ

پس ناگزیر ہے کہ کسی مقام کے ارباب اثر کو بچایا جائے اور انھیں متاثر کرنے کی زیادہ سے زیادہ سعی کی جائے۔

(۵) فسادات کے مطالعہ کے دوران میں ایک دلچسپ عنصر سے ہمارا تعارف ہوا ہے جو اپنی تعداد کے اعتبار سے بہت بڑا اور فسادات کے پھوٹنے اور بڑھ نکلنے میں اہم حصہ ادا کرتا ہے یہ عنصر بزدل اور دوں ہمت افراد پر مشتمل ہوتا ہے۔ خود اس کے اندر دو صنفیں پائی جاتی ہیں، بزدل شریف اور بزدل شریر۔

اب ہوتا یوں ہے کہ جسارت رکھنے والے مفسدین تحریک کے آتے ہیں اور گڑبڑ مچانے کے لیے دوڑ دھوپ کرتے ہیں، اور جری شرفا کی قلیل سی تعداد ایک حد تک اس کے آڑے آنے کی سعی کرتی ہے۔ لیکن یہ بیچ کا عنصر اول الذکر کے لیے مفید اور ثانی الذکر کے لیے روک ثابت ہوتا ہے۔ بزدل شریف تو شرارت کے ظہور پر دم سادھ لیتے ہیں اور فساد کو روکنے کے لیے اس سرگرمی کا دسواں حصہ بھی ان میں نہیں پایا جاتا جتنی سرگرمی شریر عنصر شرارت پھیلانے میں دکھاتا ہے۔ یہاں تک کہ بزدل شرفا میں سے بعض "بہادر" بزدلی کی وجہ سے زبان سے شریر عنصر کی حرکات کی تائید بھی کر لیا کرتے ہیں۔ لیکن بس ان کی شرافت صرف اس قدر ہوتی ہے کہ دل سے شرارتوں کو برا سمجھتے ہیں! آخر کار جب فساد پھوٹتا ہے تو پھر یہ اپنی بزدلی ہی کی وجہ سے مفسدین کے سرگرم آلۂ کار تک بن سکتے۔ دوسری طرف بزدل مفسدین کا یہ عالم ہوتا ہے کہ شرارتوں کے باقاعدہ پھوٹ بہنے سے پہلے وہ کھل کر سامنے نہیں آتے

بلا بزدلی کی وجہ سے کچھ شریف سے بنے رہتے ہیں، اور موقع دیکھ کر شریفوں کی سی باتیں بھی کر لیتے ہیں لیکن دل سے یہ چاہتے ہیں کہ فساد ہونا چاہیے اور جب وہ ہو جاتا ہے تو کھل کھیلتے ہیں۔ یہ بزدل حضرات کے دو گروہ بہت ہی خطرناک اور مضر مفسد ثابت ہوتے ہیں۔

ان گروہوں کو خوب اچھی طرح پہچاننا چاہیے، اور ان کے متعلق یہ سمجھ رکھنا چاہیے کہ یہ جدھر کی ہوا چلے گی، ادھر ہی تنکوں کی طرح اڑنے لگیں گے، اور ان کو ٹھیک کرنے کے لیے یہی کافی ہے کہ جری مفسدین کی جسارتوں کا سدباب کر لیا جائے اور ممکن ہو تو جری شرفا کو آگے کیا جائے۔ اس امر کی گنجائش بھی ہوتی ہے کہ بزدل شرفا میں سے بعض کو جرأت دلا کر ان کے اچھے جذبات کو قوی تر کر کے انھیں فساد کی روک تھام کرنے والوں سے تعاون کرا لیا جائے۔

افسوسناک یہ امر ہے کہ مفسدین میں جسور زیادہ ہوتے ہیں اور بزدل کم، لیکن شرافت کے ساتھ بزدلی کا جوڑ تو گویا ایک مستقل جز بن کے رہ گیا ہے۔ ارباب شرارت منظم ہو کر کھل کر، اور تیز رفتاری سے اپنا کام انجام دیتے ہیں لیکن اکثر ارباب شرافت، دبے سکڑے، دم سادھے، گوشہ نشینی اختیار کیے پریشانی اور درماندگی میں گھرے، شیطان کی سرگرمیوں کو آنکھوں سے دیکھتے رہتے ہیں، لیکن غیرت کا جذبہ ان کے سینوں میں کروٹ نہیں لیتا۔

(۲) بعض مقامات پر فساد کے رونما ہونے سے پہلے اور بعض جگہوں پر فساد کے پھوٹنے کے بعد امن کمیٹیاں قائم کی گئی ہیں، مگر جتنی افسوسناک یہ کمیٹیاں ہیں، اتنا افسوسناک فساد کا سارا ہنگامہ بھی نہیں۔ یہ معلوم کر کے حیرت ہوتی ہے کہ جو لوگ ان کمیٹیوں کے ارکان و عہدے دار بنے ہوئے ہیں، بالکل وہی دوسری طرف اپنی قوم کی فسادی سرگرمیوں میں بھی سربراہ کار ہیں۔ ادھر آتے ہیں تو امن کے داعی بن جاتے ہیں اور شرافت، انسانیت، اخلاق اور مذہب کے نام سے اپنی تقریروں میں عوام الناس سے امن کو قائم رکھنے کی اپیلیں کرتے ہیں، لیکن جب اپنی قومی مجلسوں میں شریک ہوتے ہیں تو وہاں اپنے لوگوں کو قوم اور قومی سیاست کے نام پر ہنگامہ آرائی کے لیے تیار کرتے ہیں۔ ان کمیٹیوں کے ارکان کے اسی بہروپیے پن کا اثر ہے کہ بالعموم ان کمیٹیوں کا وجود بالکل بے معنی ثابت ہوا ہے۔

پھر طرفہ ماجرا یہ کہ ان امن کمیٹیوں کے اعلیٰ سے اعلیٰ کارندوں کے اندر اخلاق ناپید ہے، ان کی زندگیوں میں بے اصولاپن حد درجہ ہے، ان کی روزمرہ کی سرگرمیاں اور مشاغل، ان کے پیشے اور ذرائع معاش سب کے سب فتنہ انگیز اور فساد پرور ہیں لیکن وقتی طور پر امن افروزی کے اخلاقی منصب پر بھی سرفراز ہو جاتے ہیں یا سرفراز کر دیے جاتے ہیں۔ مثلاً کوئی سیٹھ صاحب بلیک مارکیٹ کے بہت بڑے "گھاگ" ہوں گے، کوئی سب جج صاحب خوفناک قسم کے رشوت خوار ہوں گے، کوئی پروفیسر صاحب الحاد اور مادیت کی تعلیم دینے والے ہوں گے، کوئی فلم ڈائرکٹر صاحب انتہائی شرابی اور زانی ہوں گے، کوئی مقرر صاحب اپنی تقریروں کے ذریعے اشتعال اور منافرت کو پھیلانے کے ماہر ہوں گے، کوئی مصنف صاحب افسانوں اور نظموں سے اخلاق کو تباہ کرنے میں مصروف رہنے والے ہوں گے، لیکن عوام کی بدنصیبی اس قسم کے گوناگوں حضرات کو جوڑ جاڑ کے امن کمیٹی بنا دے گی۔ ظاہر ہے کہ اس حالت میں امن کا خدا ہی حافظ ہے۔

یہ حالت معلوم کرنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہ رسمی امن کمیٹیاں بالکل بے کار شے ہیں اور ان پہ کبھی کوئی بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ کوشش یہ ہونی چاہیے کہ خدا ترس اور راستباز، منصف مزاج اور بااخلاق، خدمت پیشہ اور امن پسند افراد کو ہندو مسلم کی تمیز کے بغیر تلاش کیا جائے اور چاہے ان کی تعداد کتنی ہی تھوڑی ہو، ان سے بھلائی کی امید رکھی جائے اور ان کی پوری پوری مدد کی جائے۔

(۷) اخلاق پسند لوگوں کو دل شکستہ کر دینے والی حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کے حالیہ فسادات میں حصہ لینے والوں کے اندر کسی نوعیت کا کیرکٹر برسرِ عمل نہیں رہ سکا، نہ مذہب کے سکھلائے ہوئے اعلیٰ اخلاق کا فی الجملہ لڑائیوں میں کوئی نشان پایا گیا ہے، نہ عام فطری اخلاقی احساسات کی کوئی رمق تازہ ہنگاموں میں برقرار رہ سکی ہے! ظلم و ستم کی ہر وہ شکل جو سوچی جا سکتی ہے عمل میں لائی گئی ہے۔ بچوں کا قتل، عورتوں کی ہلاکت، ان کی عصمتوں پر حملے، زندہ انسانوں کو جلا دینا، پناہ چاہنے والوں کو پناہ دینے سے انکار کر دینا، پناہ دے کر پھر شکنجہ عقوبت میں کسنا، جبری تبدیلیٔ مذہب، جائدادوں کو لوٹنا اور جلانا، لوٹنے اور بے بس مسافروں کی جان کے درپے ہونا، یہ سبھی کچھ ہوا ہے۔ — خود انسانوں کے ہاتھوں ہوا ہے — خدا کے بندوں اور آدم کے بیٹوں نے کر دکھایا ہے۔

یہ نتیجہ ہے سیاست کو مذہب کی اخلاقی روح سے محروم کر دینے کا اور یہ نتیجہ ہے خدا کے خوف کو عوام کے ذہنوں سے نکال دینے کا۔ پھر یہ نتیجہ ہے، اپنی تحریکوں اور جماعتوں کو اخلاقی حدود سے آزاد چھوڑ دینے کا۔ آخر جس ملک کی تعلیم اخلاق کا جائزہ لیے بغیر سند فضیلت دیتی ہو، جس کی سیاست کسی اخلاقی ضابطے کے بغیر جماعت بندیاں کرتی ہو اور کسی اخلاقی معیار کو سامنے رکھے بغیر عوام کے لیے لیڈر منتخب کرتی ہو، جس کا سماج ذلیل سے ذلیل کیرکٹر کے لوگوں کو اونچے سے اونچے منصب پر لا بٹھاتا ہو، اس کے عوام سے اشتعال کی حالت میں آپ کیسے اخلاق کا مطالبہ کر سکتے ہیں؟

پھر عوام کا اشتعال بھی کوئی معمولی اشتعال نہیں، بلکہ نیشنلزم کا دلایا ہوا خوفناک اشتعال ہے ہندوستان میں ایک نیشنلزم کی جگہ دو نیشنلزم بیک دفعہ ابھر آئے ہیں اور دو نیشنلزم جب آپس میں ٹکرا رہے ہوں، تو ان کی فطرت کسی اخلاق کو گوارا نہیں کر سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف مقامات پر فتنے برپا ہو جانے کے بعد عوام میں کوئی اخلاقی انضباط ان کے مقامی اکابر برقرار نہیں رکھ سکے اور نہ ملک کے اونچے لیڈروں کی اخلاقی اپیلیں سودمند ثابت ہوتی ہیں۔ بلکہ ہر دو فریق نے انتہائی بربریت ہی کو اعلیٰ ترین اخلاق سمجھا ہے۔

اب اگر کچھ لوگ فی الواقع اس زوال اخلاق کی تلافی کرنا چاہتے ہوں تو ان کی سرگرمیوں کا ہدف یہ ہونا چاہیے کہ وہ لوگوں کے دلوں کو پھر خدا کے نور سے منور کریں، ان کو لادینی سیاست سے ہٹا کر دیندار سیاست کی طرف لائیں اور انھیں قوم پرستی کے بجائے انسانیت کی محبت سے بہرہ ور کریں نیز یہ ضروری ہے کہ ملک کو مادی مقاصد کی جگہ اخلاقی مقاصد کے لیے جدوجہد کرنا سکھایا جائے، جماعت بندیاں اخلاقی ضابطے کے ساتھ ہوں، تحریکیں اعلیٰ اخلاق کے خطوط پر چلیں، لیڈرشپ کے لیے اعلیٰ کیرکٹر کے لوگوں کو منتخب کیا جائے اور حکومت اور سماج کے نظام کو خدا کا تابع اور اخلاق کا پابند بنانے کے لیے پوری قربانیوں کے ساتھ جدوجہد شروع ہو۔ ورنہ امن کی ساری اوپری کوششیں بیکار ہیں۔

(۲) زندگی کے مختلف حالیہ ہنگاموں میں ہر جگہ اکا دکا آدمی ایسے ضرور پائے گئے ہیں، جنھوں نے اپنی انسانی ذمہ داریوں کو کسی نہ کسی حد تک پورا کرنے کی سعی کی ہے اور ظالموں کو ظلم سے

روکنے یا مظلوموں کو ظلم سے بچانے کے لیے اپنے آرام اور مال کی قربانیاں دی ہیں، بلکہ بعض اوقات اپنی جان کو بھی خطرہ میں ڈالا ہے۔ کئی مسلمان تھے جو مصیبت زدہ غیر مسلموں کو بچانے کے لیے مسلمانوں کے سامنے کھڑے ہوگئے، اور اسی طرح کئی غیر مسلم تھے جو مسلمان مظلوموں کی حفاظت کے لیے سینہ سپر ہوگئے۔ لیکن افسوس کہ اس قسم کے لوگوں کی تعداد حد درجہ کم ہے اور خطرہ ہے کہ اگر ملک کی مجموعی فضا کو نہ بدلا گیا تو انسانیت کے ناموس کو بچانے والے یہ چند افراد بھی نیشنلزم کے سیلاب میں بہ جائیں گے۔

(۹) عجیب مصیبت ہے کہ دونوں طرف کے لکھے پڑھے افراد تک فسادات کی ساری ذمہ داری ابھی انگریز اور انگریزی حکومت کے سر تھوپنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس غلط فکری کی وجہ سے نہ ان کی نگاہیں اپنی غلط کاریوں کی طرف جاتی ہیں، نہ اصلاح احوال کی کوئی کوشش یہ شروع کرتے ہیں مانا کہ انگریز ایک حد تک آپ لوگوں کو لڑانے کا موجب بنتا رہا ہے مگر سوال یہ ہے کہ آپ جانتے بوجھتے لڑتے کیوں ہیں؟ کیا اس میں آپ کا کچھ بھی قصور نہیں؟ آپ میں سوچنے کی قوتیں نہیں؟ آپ کو اپنے نفع نقصان کا شعور نہیں؟ آپ اپنے اعمال میں بالکل غیر مختار ہیں؟ اپنی غلطیوں کی ذمہ داری دوسروں پر ڈالنا غلطیوں کے خوب پھلنے پھولنے کا موجب بنتا ہے۔ پھر یہ اپنے آپ کو دھوکے میں رکھنے کی کوشش کب تک جاری رہے گی۔

دراصل وجوہ فساد پر توجہ دلاتے ہی یہ لوگ ایسی کوئی بات کہہ کے سلسلۂ گفتگو روک دیتے ہیں تاکہ ان کے دل کا چور نہ پکڑا جائے۔ لیکن فی الواقع اس چور کو پکڑنا شدید ضروری ہے۔ دو قومیں ایک دوسرے سے لڑتی ہیں اور جب انھیں اس سے روکا جاتا ہے تو وہ کہہ دیتی ہیں کہ ہم کیا کریں، ہمیں تو انگریز لڑا رہا ہے! یہ آخر کوئی معقول عذر ہو سکتا ہے؟ اس عذر کا سکہ اب سیاست کی منڈی میں کھوٹا ہو چکا ہے، اب تو کوئی کھرا سکہ چلنا چاہیے۔

(۱۰) امن کے بچاؤ یا امن کی بحالی کا کام کرنے والے لوگوں کو فساد زدہ یا مشتعل مقامات پر ایک بڑی دقت یہ پیش آتی ہے کہ ان کے متعلق طرح طرح کی بدگمانیاں پھیلائی جاتی ہیں اور کچھ تو

خوف زدہ عوام یوں بھی شکی ہو جاتے ہیں اور کچھ یہ بات بھی ہوتی ہے کہ غیر دیانتدار لوگوں سے انھیں تلخ تجربات ہو چکے ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے وہ امن کے ہر پیغام کو بے اعتمادی کے ساتھ سنتے ہیں اس پر مستزاد یہ کہ مفسدین خاص طور پر اس امر کا اہتمام کرتے ہیں کہ مساعی امن کو شکست دی جائے اور اس غرض کے لیے وہ کارکنوں کے متعلق شکوک و شبہات پھیلاتے ہیں۔ مگر اس مشکل کے باوجود ہمارے کارکنوں کے تجربات کا ماحصل یہ ہے کہ دیانتداری اور اخلاص اور اخلاق کے ساتھ کام کرنے میں یہ رکاوٹیں زیادہ دیر تک حائل نہیں رہ سکتیں اور جوں جوں قدم آگے بڑھتا ہے، راستے صاف ہوتے چلے جاتے ہیں۔

انسانی فطرت کو صحیح طریق سے اپیل کیا جائے تو وہ تعصبات اور جانبدارانہ رجحانات اور انتقامی جذبات کے پردے پھاڑ کر اس پر لبیک کہتی ہے ـــــ کبھی جلدی اور کبھی ذرا دیر میں! اس نظر کو کسی بھی مسلمان اور کسی بھی غیر مسلم بھائی کے اندر اتار کر اگر بات کیجیے تو وہ حق اور راستی اور انصاف کے اصولوں کو فوراً اپنانے لگتا ہے اور خود اپنی قوم اور اپنے لیڈروں اور اپنے اخبارات اور اپنی سیاسی جماعتوں کی ناراستیوں اور ناانصافیوں کو پوری فراخ دلی سے تسلیم کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے، اور اس کے اندر ظلم کے خلاف ایک نفرت اور احسان کے لیے ایک خفیف سا ولولہ کروٹیں لینے لگتا ہے۔ باہر کے مصنوعی انسان کو اپنے راستے سے ہٹا کر اگر آپ اندر کے حقیقی انسان کو مخاطب کریں تو وہ امن اور اخلاق کی دعوت کو سنے گا، لیکن اگر آپ باہر کے مصنوعی انسان سے الجھ گئے تو پھر اس کے تعصبات اور قوم پرستانہ جذبات آپ کی دعوت کو ضمیر کی گہرائیوں میں ہرگز اترنے دیں گے۔ بس دوسرے کی انسانیت کو پکارنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ خود داعی کے اندر سے صرف حقیقی انسانیت بول رہی ہو، راستی اور انصاف کا خالص پیغام ابل رہا ہو، خدا پرستی اور اخلاق کی بے آمیز پکار بلند ہو رہی ہو۔ ایسے پیغام اور ایسی پکار کے راستے میں شکوک اور بدگمانیاں اور تعصبات زیادہ دیر تک حائل نہیں رہ سکتے۔

(۱۱) ایک اور اہم بات یہ ہے کہ اگرچہ جو فسادِ صریح قوم پرستانہ سیاست کے پیدا کردہ ہیں،

لیکن دوران فساد میں فریقین کی اقتصادی کشمکش بھی موثر رہی ہے۔ بعض مقامات سے معلوم ہوا ہے کہ وہاں جب مظلومین کو بچانے کی کوشش کی گئی تو بلوائیوں نے یہ کہہ کر اسے رد کر دیا کہ یہ تو وہی ہیں جو دو پیسے کی دیا سلائی چار چار آنے میں دیتے تھے اور یہ وہی ہیں جو دس دس روپے پر سو سو لگا کر ہم سے تین تین سو اور پانچ پانچ سو وصول کرتے رہتے ہیں۔ اس کے بالمقابل کہیں کہیں ایسے واقعات بھی ملتے ہیں جہاں کسی شخص کو محض اس بنا پر مظالم سے بچا لیا گیا کہ اس نے اپنے کاروبار کے ذریعے عوام کی خدمت انجام دی ہے اور انھیں نفع کے لیے دکھ نہیں دیا۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر فریقین میں حسن معاملت اور خدمت و احسان کا مسلک رائج ہو تو فسادات کی روک تھام میں یہ چیز ممد ہو سکتی ہے۔

قواعد ایجنسی

وہ حضرات جو پہلے سے رسالہ ترجمان القرآن کے ایجنٹ ہیں یا اب ایجنسی لینا چاہتے ہیں، ان کے لیے قواعد ذیل کی پابندی ضروری ہے۔

۱۔ پانچ پرچوں سے کم خریداری پر ایجنسی نہیں دی جاتی۔

۲۔ کمیشن کی شرح ۲۵٪ بالکل قطعی ہے۔

۳۔ ایجنسی کے سلسلہ کے پرچے بک پوسٹ یا رجسٹرڈ روانہ نہیں کیے جا سکتے، بلکہ کمیشن منہا کر کے بقیہ رقم کا وی پی کیا جائے گا تاکہ حساب صاف رہے۔

۴۔ محصول ڈاک میں سے ۲ر فی پیکٹ ایجنٹ کے ذمہ ہوگا۔ بقیہ دفتر خود برداشت کرے گا۔

۵۔ مطلوبہ پرچوں کی تعداد میں کمی بیشی کی اطلاع ہر مہینہ کے پہلے ہفتہ میں پہنچ جانی چاہیے۔

"منیجر"